



انها لظن ﴿۱۵﴾ نزاعاً للشوى ﴿۱۶﴾ تدعو امن اذبر وتولى ﴿۱۷﴾ وجمع  
 وہ جتنی ہوگی آگ ہے کبھی لینے والی کبھی بھارتی ہے اس کو میں نے پتہ نہیں اور پھر چلائی اور جوڑا اور  
 قاعوی ﴿۱۸﴾ ان الانسان خلق هالوعا ﴿۱۹﴾ اذامسه الشر جزوعا ﴿۲۰﴾  
 سنت کر رکھا بیشک آدمی بنا ہے ہی کا کہا جب پہنچے اس کو بڑائی تو بے صبرا  
 واذامسه الخبز متوعا ﴿۲۱﴾ الا المصلين ﴿۲۲﴾ الذين هم على  
 اور جب پہنچے اس کو بھلائی تو بے تو بیجا مگر وہ نمازی جو  
 صلاتهم دائمون ﴿۲۳﴾ والذين في اموالهم حق معلوم ﴿۲۴﴾ للسائل  
 نماز پر قائم ہیں اور جن کے مال میں حقہ مقرر ہے مانگنے والے  
 والمحرور ﴿۲۵﴾ والذين يصدقون بيوم الدين ﴿۲۶﴾ والذين هم  
 اور ہارے ہونے کا اور جو یقین کرتے ہیں انصاف کے دن پر اور جو لوگ کہ  
 من عذاب ربهم مشفقون ﴿۲۷﴾ ان عذاب ربهم غير ما مومن ﴿۲۸﴾  
 اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک ان کے رب کے عذاب سے کسی کو نہ ڈرنا چاہئے  
 والذين هم لغير ذنبهم خفيون ﴿۲۹﴾ الا على اذواتهم اذ ما ملكت  
 اور جو اپنی شہوت کی بلکہ کو چھپاتے ہیں مگر اپنی جوروں سے یا اپنے اہل کے  
 ايمانهم قائمهم غير ملومين ﴿۳۰﴾ فمن استغى وراى ذلك قاوليك  
 مال سے سو ان پر نہیں بلکہ اہلنا پھر جو کوئی ڈھونڈے اس کے سوائے سو وہی ہیں  
 هم العدون ﴿۳۱﴾ والذين هم لامنتهم وعهد لهم راعون ﴿۳۲﴾  
 وہ سے بڑھنے والے اور جو لوگ کہ اپنی امانتوں اور اپنے قول کو چاہتے ہیں  
 والذين هم يشهدونهم قايمون ﴿۳۳﴾ والذين هم على صلاتهم  
 اور جو اپنی گواہیوں پر سہمے ہیں اور جو اپنی نماز سے  
 يحافظون ﴿۳۴﴾ اوليك في جنت مكرمون ﴿۳۵﴾ فمال الذين كفروا  
 نمودار ہیں وہی لوگ ہیں انہوں میں عزت سے پھر کیا ہوا ہے منکروں کو  
 قبلك مهطعين ﴿۳۶﴾ عن اليمين وعن الشمال عزين ﴿۳۷﴾ ايطع  
 تیری حالت ڈرتے ہوئے آتے ہیں اپنے سے اور بائیں سے قول کے عمل کا حال رکھتا ہے  
 كل امرئ منهم ان يدخل جنة نعيم ﴿۳۸﴾ كادرا تا خلقهم ممتا  
 ہر ایک شخص ان میں کہ داخل ہو جائے جنت کے باغ میں ہرگز نہیں ممتا نے ان کو بنایا ہے میں سے وہ بھی  
 يعلمون ﴿۳۹﴾ فلا أقسم برب المشرق والمغرب ان لا قدرون ﴿۴۰﴾  
 جانتے ہیں سو میں تم کہتا ہوں مشرق اور مغرب کے ملک کی حقیقت ہم کر سکتے ہیں

على ان تبدل خيرا منهم ﴿۱﴾ وما نحن بمسبوقين ﴿۲﴾ فذرهم  
 کہ بدل کر لے آئیں اس سے بہتر اور ہمارے قابو سے بچل نہ جائیں گے سو چھوڑ دے انکو  
 يخصوصوا ويلعبوا حتى يلقوا يومهم الذي يوعدون ﴿۳﴾ يوم  
 کہ بائیں نہ جائیں اور کھلا کریں یہاں تک کہ مل جائیں اپنے اس دن سے جسکا میں سے وعدہ ہے جس دن  
 يخرجون من الاجداث سراعا كما نهم الى نصب يوسفون ﴿۴﴾  
 نکل پڑیں گے قبروں سے ڈرتے ہوئے جیسے کسی نشانی پر ڈرتے جاتے ہیں  
 حاشية ابصارهم تزددهم ذللة ذللك اليوم الذي  
 جسکی ہوں گی ان کی آنکھوں ہڑسی آئی ہوگی ان پر ذلت یہ ہے وہ دن جس کا

کاشوا یوعدون ﴿۳﴾	ان سے وعدہ
	متا

### خلاصہ تفسیر

ایک مانگنے والا (براہ انکار) وہ عذاب مانگتا ہے جو کہ کافروں پر واقع ہونے والا ہے (اور) جسکا کوئی دفع  
 کرنے والا نہیں (اور) جو اللہ کی طرف سے واقع ہوگا جو کہ سیرتوں کا (یعنی آسمانوں کا) مالک ہے (جسکا کوئی  
 سے) فرشتے (اور اہل ایمان کی) روز میں اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں (اس کے پاس سے مراد یہ ہے کہ عالم بالا  
 میں جو موقع انکے عروج کا منتہا مقرر کیا گیا ہے وہاں جاتی ہیں اور چونکہ اس عروج کا راستہ آسمان ہیں اس لئے  
 ان کو معارج (یعنی سیرتوں) فرادیا اور وہ عذاب (ایسے دن میں واقع) ہوگا جس کی مقدار (دنیا کے)  
 پچاس ہزار سال (کی برابر) ہے (مراد قیامت کا دن ہے جو کچھ حقیقی مقدار سے کچھ اس کے اشتداد سے کفایت  
 کو اس قدر طول محسوس ہوگا اور چونکہ کفر و سرکشی کے مراتب کے اعتبار سے اس کی شدت اور درازی مختلف ہوگی  
 کسی کے لئے بہت زیادہ کسی کے لئے کچھ کم اس لئے ایک آیت میں کالذات سنتہ آیا ہے اور کافروں کی  
 تخصیص اسلئے کی کہ حدیث میں ہے کہ موتوں کو وہ دن اس قدر بلکا معلوم ہوگا جیسے ایک فرض پڑھنے کا وقت  
 (کنذافی التذرعن ابی سعید فریحا لروایت احمد والبیہقی وغیرہما) سو (جب عذاب کا آنا ثابت ہو تو)  
 آپ (ان کی مخالفت پر) صبر کیجئے اور صبر بھی ایسا جس میں شکایت کا نام نہ ہو (یعنی انکے کفر و خلاف سے  
 ایسے تنگ نہ ہو جسے شکایت حکایت زبان پر آجائے بلکہ یہ پھر کہ تم کیجئے کہ ان کو سزا ہونے والی ہے  
 اور اس یوم سزا کا جو ان کو انکار ہے سو) یہ لوگ اس دن کو (قیامت پر ایمان نہ ہونے کے سبب اس کے وقوع  
 کو) بعید دیکھ رہے ہیں اور ہم کو اسکا وقوع یقینی معلوم ہے اس لئے) اس کو (دفع سے) فریب دیکھ  
 رہے ہیں (اور وہ عذاب اس روز واقع ہوگا) جس دن (کہ) آسمان لرزگ میں) تیل کی ٹپت کی طرح

ہو جاوے گا اور ایک آیت میں کالذھابن ہے جس کی تفسیر اوم امر یعنی سرخ چمڑے کی گئی ہے تو حج دونوں میں یہ ہے کہ سرخ یعنی شدت سے بھی سیاہی کے مشابہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے پس امر اور دونوں کو کہا جاتا ہے۔ یا اول ایک رنگ ہو پھر دوسرا بدل جاوے کہ نقل ابن کثیر فی الرحمن علی الحسن تبتون الواج اور اگر اس کی تفسیر بھی مثل بعض کے ذر ذی زینت سے کی جاوے یعنی روغن زیتون کی چھٹ، تو دونوں کا مفہوم متحد ہو جاوے گا، غرض آسمان سیاہ ہو جاوے گا اور پھٹ بھی جاوے گا اور پہاڑ رنگین اون کی طرح (جو کہ مصعبی ہوتی ہے فتوہ تعالیٰ کا لغوی المنقوش) ہو جاوے گا (یعنی اڑتے پھریں گے اور رنگین سے تشبیہ لئے دی گئی کہ پہاڑ بھی مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں کہما ہوا اللہ کو فی قولہ تعالیٰ ومن الجبال جنداً منضرباً منضرباً لؤلؤاً وادیاً وخرائباً سوداً) اور (اس روز) کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا (قولہ تعالیٰ انفسا لئن) باوجودیکہ ایک دوسرے کو دکھا بھی دیکھے جاوے گا (یعنی ایک دوسرے کو دیکھیں گے مگر کوئی کسی کی ہمدردی نہ کرے گا اور سورہ صافات میں جو باہم سوال کر لیا کہ ہے وہ بلور اختلاف کے ہے بلور ہمدردی کے نہیں لئے وہ اس آیت کے منافی نہیں، اس روز) بچم (یعنی کافر) اس بات کی تمنا کرے گا کہ اس روز کے عذاب سے چھوٹنے کے لئے اپنے بیٹوں کو اور بیوی کو اور بھائی کو اور کنبہ کو جن میں وہ رہتا تھا اور تمام اہل زمین کو اپنے فدیہ میں دیدے پھر یہ (فدیہ میں دیدینا) اس کو (عذاب سے) بچائے (یعنی اس روز ایسی نفسا نفسی ہوگی کہ ہر شخص کو اپنی فکر بڑھاوے گی، اور کل تک جس پر جان دیتا تھا آج ان کو اپنے فادے کے لئے عذاب کے سپرد کرنے کو تیار ہوگا اگر اس کے قابو کی بات ہو لیکن) یہ ہرگز نہ ہوگا (یعنی نجات عن العذاب مطلقاً نہ ہوگی بلکہ) وہ آگ ایسی شعلہ زن ہے جو کھال (تک) آتا دہی (اور) وہ اس شخص کو (خود) بلاوے گی، جس نے (دنیا میں حق سے) پیٹھ پھیری ہوگی اور (طاعت سے) بے زنی کی ہوگی اور (دوسروں کا حق مارا کر یا براہ عرض مال) جمع کیا ہوگا پھر اسکو اٹھا اٹھا کھا ہوگا (مطلب یہ کہ حقوق اللہ وحقو لعیان ضائع کئے ہوں گے، یا اشارہ ہے فساد عقائد و فساد اخلاق کی طرف اور بلانا مننے حقیقی پر عمل پورستہ ہو کر خلاصہ یہ کہ ایسے صفات موجب استحقاق نار ہیں اور اس بچم میں یہ صفات پائے جاتے ہیں پھر غیبت عن اللہ آ کسب مقصود ہے اور جمع نادعی سے کفار کا تکلف بالفرض ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ ان ردائل کی وجہ سے کفار کو اصل عذاب نہیں ہوگا بلکہ اشتداد عذاب ہوگا اور نفس عذاب کفر پر ہوگا، بخلاف گناہگار مومنین کے کہ ان کو معاصی پر نفس عذاب بھی ہو سکتا ہے (واللہ اعلم۔)

(آگے دوسرے ردائل کا ذکر ہے جو عذاب کا سبب ہوتے ہیں ان سے اہل ایمان کا استثناء اور پھر استثناء کا نتیجہ بیان ہے یعنی) انسان کم بہت پیدا ہوا ہے (مراد انسان سے استثناء کو شامل کرنے کے بعد انسان کافر ہے اور پیدا ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ اول پیدا کر کے وقت سے ہی وہ ایسا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی جبلت سے ایسا مادہ رکھا گیا ہے کہ وہ اپنے وقت پر پہنچ کر یعنی بلوغ کے بعد ان ردائل سے

کا عادی ہو جائے گا، پس کم بہت سے مراد طبی کم بہت نہیں ہے بلکہ کم بہت کے آثار ذمیل اختیار یہ مراد ہیں جن کو آگے بیان فرماتے ہیں یعنی) جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو (جو جواز سے زیادہ) برع فرع کرنے لگتا ہے اور جب اس کو فائز البالی ہوتی ہے تو (حقوق ضروریہ سے) بخل کرنے لگتا ہے (یہ تمہہ ہوگا سوچنا عذاب کا جو حق ادر سے شروع ہوتے ہیں) مگر وہ نمازی (یعنی نومن ان سو جبات عذاب سے مستثنیٰ ہیں) جو اپنی نماز پر برابر توجہ رکھتے ہیں (یعنی نماز میں تہا ہر یا بلانا دوسری طرف توجہ نہیں کرتے جس کو قد اقلتہ المؤمنون میں تھا اشعرون سے تعبیر فرمایا ہے کہ نقل ابن کثیر عن عقبہ بن عامر بقولہ الذائر الساکن ورحمہ فی الذر المنخور اذ اصلو المر یلثقوا عن عین وکلا شمال) اور جن کے مالوں میں سولی اور بے سولی سب کا حق ہے (اس کے متعلق مضمون سورہ ذاریات میں گزر چکا) اور جو قیامت کے دن کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرنے والے ہیں (اور) واقعی ان کے رب کا عذاب بے خوف ہونے کی چیز نہیں (یہ جملہ معترضہ کے طور پر ہے) اور جو اپنی شرمگاہوں کو (حرام سے) محفوظ رکھنے والے ہیں لیکن اپنی عیبوں سے یا اپنی (شرعی) لوثیوں سے (حفاظت نہیں کرتے) کیونکہ ان پر (اس میں) کوئی الزام نہیں ہوا اور اس کے علاوہ (اور جگہ شہوت رانی کا) طلبگار ہو ایسے لوگ حد (شرعی) سے نکلنے والے ہیں اور جو اپنی (سپردگی میں) ہوتی) امانتوں اور اپنے عہد کا خیال رکھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی گواہیوں کو ٹھیک ٹھیک ادا کرتے ہیں (ان میں کی بیعتی نہیں کرتے) اور جو اپنی (فرض) نماز کی پابندی کرتے ہیں (پس) ایسے لوگ بہشتوں میں عزت سے داخل ہونگے (ان آیات کی تفسیر سورہ مؤمنون میں دیکھی جائے آگے کفار کی حالت کا عجیب ہونا اور وقوع قیامت کا مستعد ہونا بیان فرماتے ہیں یعنی سو جبات سعادت و شقاوت تو اوپر بدالات واضح معلوم ہو چکے) تو (معلوم بالذلیل ہونے کے بعد پھر) کافروں کو کیا ہوگا (ان مضامین کی تکذیب کے لئے) آپ کی طرف کو داہنے اور بائیں سے جھانپیں، بن کر دڑے آ رہے ہیں (یعنی چاہئے تھا کہ ان مضامین کی تصدیق کرتے لیکن یہ لوگ متفق ہو ہو کر آپ کے پاس اس غرض سے آتے ہیں کہ ان مضامین کی تکذیب اور ان کے ساتھ استہزاء کریں جیسا کہ کفار عرب نبوت کی خبریں سن کر اسی غرض سے آتے تھے اور اسلام کو باطل سمجھنے کے ساتھ اپنے کو حق پر سمجھتے تھے اور حق ہو گیا ثمرہ جنت میں جانا ہے اس بنا پر وہ اپنے کو مستحق جنت بھی سمجھتے تھے کہ قولہ تعالیٰ ولین رجعت الی ربی انا لینی عین کا لفظ ہے، اس لئے اس کے متعلق بطور انکار فرماتے ہیں کہ) کیا ان میں ہر شخص اس کی ہوس رکھتا ہے کہ وہ آسمان کی جنت میں داخل کر لیا جاوے گا یہ ہرگز نہ ہوگا (کیونکہ سو جبات جہنم کے ہوتے ہوئے جنت کیسے بلواوے گی اور یہ لوگ ان مضامین کی تکذیب میں نفس قیامت کی بھی تکذیب کرتے اور اسکو محال سمجھتے تھے آگے اسکے متعلق ارشاد ہے کہ ان کا استبعاد محض بے وقوفی ہے کیونکہ) پہنچنے ان کو ایسی چیز سے پیدا کیا ہے جس کی ان کو بھی خبر ہے (پس جب ان کو معلوم ہے کہ لفظ سے آدمی کو بنایا ہے اور لفظ ہر جگہ لفظ سے کہ جس میں بھی حیات نہیں آئی آدمی بننے تک جتنا بعد ہے اتنا بعد اجزا بیت سے دوسری بار آدمی بننے تک نہیں ہے کیونکہ ان اجزا میں

ایک بار حیات پہلے آچکی ہے اس کو محال سمجھنا ان کی بے وقوفی ہے) پھر دوسرے طور پر دفع استبعاد وقوع قیامت کے لئے) میں تم کھانا ہوں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی (یعنی اس کے سورہ صافات کے شروع میں گزرے ہیں) آگے جو اب قسم ہے) کہ ہم اس پر قادر ہیں کہ (دُنیا ہی میں) ان کی جگہ ان سے بہتر لوگ لکھ آئیں (یعنی پیدا کر دیں) اور ہم (اس سے) عاجز نہیں ہیں (پس جب نئی مخلوق اور وہ بھی ایسی جس میں صفات کمال زیادہ ہوں نہیں زیادہ اشیاء پیدا کرنا پڑیں ہم کو پیدا کرنا آسان ہے تو تم کو دوبارہ پیدا کرنا کون شکل کام ہے۔ پہلا استدلال خود ان مسکریں کی حالت کے اعتبار سے ہے اور دوسرا استدلال ان کے اشیاء و نظائر کے امکان مخلوقیت سے۔ اور جب باوجود خروج حق مع الدلائل کے اپنے انکار و عناد سے باز نہیں آتے) تو آپ ان کو اسی شکل و ظرف میں پسند دیجئے، یہاں تک کہ ان کو اپنے اس دن سے سابقہ واقع ہو جسکا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے جس دن یہ قبروں سے نکل کر اس طرح دُور گئے جیسے کسی پریشک گاہ کی طرف دُور سے جاتے ہیں (اور) ان کی آنکھیں (مارے شرمندگی کے) نیچے کو کھلی ہوئی (اور) ان پر ذلت چھائی ہوگی، یہ ہے ان کا وہ دن جسکا ان سے وعدہ کیا جاتا تھا (جو کہ اب واقع ہو گیا)

### معارف و مسائل

سائل سائل، سوال کبھی کسی چیز کی تحقیق کے لئے ہوتا ہے اس کے ساتھ عربی زبان میں صلہ حرف عن کا استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی سوال یعنی درخواست اور کسی چیز کی طلب کے ہوتا ہے یہاں ایسا ہی ہے اسی لئے اسکے صلہ میں بجائے عن کے حرف بار آیا۔ بعد ادب یعنی یہ کہ ایک مانگنے والے نے عذاب مانگا۔ نسا ہی میں حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ مانگنے والا حضرت عمارت تھا جس نے قرآن اور رسول صلا اللہ علیہ وسلم کی تکذیب میں اس عمارت سے کام لیا کہ کہنے لگا اَللّٰهُمَّ اِن كَانَ هٰذَا اَلْحَقَّ مِنْ عَذَابِ رَبِّيْ لَآ اَمِيْتُ لَئِيْذَا سَجَا اَكْرَمُ السَّمَاوَاتِ اِنِّيْ سَآءٌ بِعَذَابِ رَبِّيْ، یعنی یہ دعائی کہ یا اللہ اگر یہ قرآن ہی حق ہے اور آپ کی طرف سے، تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائے یا کوئی دوسرا عذاب ہم بھیجے۔ (منظری) اللہ تعالیٰ نے اس کو غرور و بددین مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب دیا (منظری روایت ابن ابی حاتم) اس شخص نے اللہ تعالیٰ کا جو عذاب اپنے منہ مانگا تھا آگے اس کی کچھ حقیقت کا بیان ہے کہ یہ عذاب کافروں پر ضرور واقع ہو کر ہے گا (خواہ دُنیا میں یا آخرت میں یا دونوں میں) اس عذاب کو دفع کرنا کسی کے بس میں نہیں۔ یہ عذاب اللہ کی طرف سے ہے جو درجات عالیہ والا ہے۔ یہ آخری حملہ پہلے حملے کی دلیل بھی ہے کہ جو عذاب اللہ بالا اور تکبر سے ہوا اس کو دفع کرنا اور ڈالنا کسی کے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔

معارض، معرج کی جمع ہے معرج سے مشتق ہے جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں اور معرج و معراج اس سے مراد ہے جو کھاجاتا ہے جس میں نیچے سے اوپر چڑھنے کے لئے بہت سے درجات ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت اس آیت میں ذی معارج اس معنی سے ہو کہ اللہ تعالیٰ درجات عالیہ والا ہے (کہ اَخَالِ سَعِيْدِيْنَ جَبْر) اور یہ درجہ عالیہ اور نیچے سات آسمان ہیں۔ حضرت ابن خلدون نے فرمایا کہ ذی المعارج کے معنی ہیں۔ ذی السموات یعنی مالک سموات۔

تَعْرِجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ، یعنی یہ درجات جو تہ بہ تہ اوپر نیچے ہیں ان درجات کے اندر چڑھتے ہیں فرشتے اور رُوح الامیں یعنی جبرئیل امین۔ جبرئیل علیہ السلام بھی اگرچہ فرشتوں کے زمرہ میں شامل ہیں لیکن ان کے خصوصی اعزاز کے لئے ان کا الگ نام ذکر فرمایا گیا ہے۔

فِيْ يَوْمِهِمْ يَسْأَلُكَ الرَّكُوعَ وَاسْتِجَابَ السُّجُودِ، یہ تہ ایک فعل مفرد سے متعلق ہے یعنی یَقْعُ مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب جسکا اوپر ذکر آیا ہے کہ کافروں پر ضرور واقع ہو کر ہے گا۔ اسکا وقوع اُس روز ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام نے رسول اللہ صلا اللہ علیہ وسلم سے اُس دن کے متعلق سوال کیا جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہوگی کہ یہ دن کتنا دراز ہوگا۔ آنحضرت صلا اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یہ دن مومن پر اتنا ہلکا ہوگا کہ ایک نماز فرض ادا کرنے کے وقت سے بھی کم ہوگا (رواہ احمد والبخاری وابن حبان والبیہقی بسند حسن۔ منظری) اور حضرت ابو ہریرہ رضی عنہ سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ

يَكُوْنُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كَعَلَا رَمَادِيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ | یعنی یہ روز مومنین کے لئے اتنا ہوگا جتنا وقت نذر عصر کے درمیان الخرج المأكل والمبهي مطروقا وموقفا (منظری) | ہوتا ہے یہ روایت حضرت ابو ہریرہ سے مروفاً بمعنی شوقاً و موثقاً بھی ان روایات حدیث سے معلوم ہوا کہ اس دن کا یہ طول کہ پچاس ہزار سال کا ہوگا ایک اضافی امر ہے کفار کے لئے اتنا دراز اور مومنین کے لئے اتنا مختصر ہوگا۔

روز قیامت کی درازی ایک ہزار سال یا پچاس ہزار سال کی تحقیق | اس آیت میں روز قیامت کی مقدار پچاس ہزار سال بتلائی ہے۔ اور سورہ تنزیل السجدہ کی آیت میں ایک ہزار سال آئے ہیں آیت یہ ہے يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كِبَارُ الْعُمْرِ اِلَّا بِرَحْمَةِ رَبِّيْ یعنی یہ تہ پیر کرتے ہیں امر ابھی کی آسمان سے زمین تک پتھر چڑھتے ہیں اس کی طرف ایک ایسے دن میں جس کی مقدار ایک ہزار سال ہے عام شمار کے اعتبار سے۔ بظاہر ان دونوں آیتوں کے مضمون میں تضاد اور تضاد ہے اسکا جواب مذکورہ روایات حدیث سے ہو گیا کہ اس دن کا طول مختلف گروہوں کے اعتبار سے مختلف ہوگا، تمام کفار کے لئے پچاس ہزار سال کا اور مومنین صالحین کے لئے ایک نازل کا وقت ان کے درمیان طوائف کفار میں مکن ہے کہ بعض کے لئے صرف ایک ہزار سال کی برابر ہو۔ اور وقت کا دراز اور مختصر ہونا شدت و بے چینی اور آرام و عیش میں مختلف ہونا مشہور و معروف ہے کہ بے چینی اور شدت تکلیف کا ایک گنہہ بعض اوقات انسان کو ایک دن بگدا ایک ہفتہ عشرہ سے زیادہ محسوس ہوتا ہے اور آرام و عیش کا برے سے بڑا وقت مختصر معلوم ہوتا ہے۔

اور آیت تنزیل السجدہ جس میں ایک ہزار سال کا دن بیان کیا گیا ہے اس کی ایک توجیہ یہ نظری میں یہ بیان کی ہے کہ اس آیت میں جس دن کا ذکر ہے وہ دنیا ہی کے دنوں میں کا ایک دن ہے اس میں جبرئیل علیہ السلام اور فرشتوں کا آسمان سے زمین پر آنا پھر زمین سے آسمان واپس جانا اتنی بڑی مسافت کو طے کرنا جو کہ انسان

طے کرتا تو اس کو ایک ہزار سال لگتے، کیونکہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے آسمان سے زمین تک پانسو سال کی مسافت ہے تو پانسو سال اوپر سے نیچے آنے کے اور پانسو واپس جانے کے یہ کل ایک ہزار سال انسانی حال کے اعتبار سے ہیں کہ بالفرض انسان اس مسافت کو قطع کرتا تو آنے اور جانے میں ایک ہزار سال لگ جاتے۔ اگرچہ فرشتے اس مسافت کو بہت ہی مختصر وقت میں طے کر لیتے ہیں۔ تو سورہ جمدہ کی آیت میں دُنیا ہی کے دنوں میں سے ایک دن کا بیان ہوا اور سورہ معارج میں قیامت کے دن کا بیان ہے جو ایام دُنیا سے بہت بڑا ہوگا اور اس کی درازی اور کوتاہی مختلف لوگوں پر اپنے اپنے حالات کے اعتبار سے مختلف محسوس ہوگی۔ واللہ بھانہ و تعالیٰ اعلم

﴿لَتَنْفَخَنَّ بَوَاقِلًا يَوْمَئِذٍ كَالَّذِي هُمْ يَخْتَفُونَ﴾ یہاں قریب و بید باعتبار مسافت یا زمانے کے نہیں بلکہ بعید از امکان یا بعید از وقوع مراد ہے اور منیٰ آیت کے یہ ہیں کہ یہ لوگ تو قیامت کے وقوع بلکہ امکان کو بھی بعید سمجھ رہے ہیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسکا وقوع یقینی ہے۔

﴿وَلَا يَسْتَسْمِعُونَ سَوِيْرًا يَدْعُوْنَ بِهِمْ وَيَبْتَغُونَ هُدًى لِّمَنْ يَدْعُوْنَ﴾ مجیم کے معنی گہرے اور مخلص دوست کے ہیں قیامت کی شدت کا بیان ہے کہ اُس روز کوئی دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا، مدد کرنا تو درکنار، آگے یہ بھی بتلا دیا کہ یہ نہ پوچھنا اس لئے نہیں کہ وہ دوست سانسے نہیں ہوگا بلکہ قدرت اللہ ان سب کو ایک دوسرے کے سانسے بھی کر دے گی، مگر ہر شخص نسی نسی کے عالم میں ہوگا کوئی کسی دوسرے کی تحلیف دراحت کی طرف التفات نہ کر سکے گا۔

﴿كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ تَرْتَدُّ عَلَىٰ أَلْسِنَتِنَا وَتُرْجَىٰ﴾ انہا کی ضمیر نارا کی طرف راجع ہے اور لفظی کے سننے خاص شعلہ غیر کنیزش کے اور شوقی شوق کی جمع ہے جس کے معنی سر کی کھال کے بھی ہیں اور ہاتھوں پاؤں کی کھال کے بھی، یعنی جہنم کی آگ ایک سخت بھرنے والا شعلہ ہوگا جو دماغ کی یا ہاتھوں پاؤں کی کھال اتار دیکھا۔

﴿تَنبَعُ أَمْحَاجٌ آدْمُومٌ كَالْحَمْرِ﴾ خود بلائے گی یہ آگ اُس شخص کو جس نے حق سے بچھڑ بولنی اور رُخ پھیرا اور مال جمع کیا پھر اس کو روک کر رکھا مراد جمع کرنے سے وہ ہے کہ خلافت شرع ناجائز طریقوں سے جمع کرے اور روکنے سے مراد یہ ہے کہ مال پر عائد ہونے والے فرائض و واجبات ادا نہ کرے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُودًا﴾ بلوغ کے عقلی معنی میں بے صبر کہ بہت آدمی کے ہیں حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ آیت میں بلوغ سے مراد وہ شخص ہے جو مال حرام کی حرص میں مبتلا ہو اور حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ اس سے مراد جنمیل آدمی ہے اور مقالہ نے فرمایا کہ تنگی بلوغ صبر آدمی مراد ہے اور یہ سب معانی متقارب ہیں۔ بلوغ کے مفہوم میں سب داخل ہیں، اس بلوغ کی تشریح خود قرآن کے الفاظ میں آ رہی ہے یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب اس کو پیدا ہی اس حال میں کیا ہے اور یہ عیب اس کی تخلیق میں لکھے ہیں تو پھر اسکا کیا قصور ہوا وہ مجرم کیوں قرار دیا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ مراد اس سے انسانی فطرت اور جبلت میں کمی ہوئی استعداد اور مادہ ہے سو اس میں حق تعالیٰ نے ہر چیز و صلاح کا مادہ اور استعداد بھی رکھی ہے اور شرف و نساد

کی بھی۔ اور اس کو محفل دہوش بھی عطا فرمایا اور اپنی کتابوں اور رسولوں کے ذریعہ ہر ایک کام کا انجام بھی بتلا دیا تو اپنے اختیار سے مادہ شرف و نساد کی پرورش کی اپنے اختیاری اعمال کو اُس رُخ پر ڈال دیا تو وہ مجرم ان اختیاری اعمال کی وجہ سے قرار پایا جو مادہ اُس کی پیدائش میں ودیعت رکھا گیا تھا اسکی وجہ سے اسکو مجرم نہیں قرار دیا گیا جیسا کہ آگے بلوغ کے معنی کی تشریح خود قرآن کریم نے کی ہے انہیں صرف افعال اختیار یہ کا ذکر فرمایا ہے وہ یہ ہیں۔

﴿إِذْ أَمَرْتُمُ النَّاسَ بِحُجْرَتِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَمْرُهُمْ فُتُورًا﴾ یعنی اس انسان کی کمزوری اور بے صبری کا یہ عالمی کہ جب اس کو کوئی تکلیف و مصیبت پیش آجاتی ہے تو صبر سے کام نہیں لیتا اور جگہ کی راحت و آرام اور مال و دولت طلبتا ہے تو اس میں بخل کرتا ہے۔ یہاں بے صبری اور جزع سے مراد وہ ہے جو مدد و شرف سے باہر ہوں اسی طرح بخل سے مراد فرائض و واجبات کی امانت میں کوتاہی ہے ﴿وَلَا يَرْجِعُ إِلَىٰ مَنْ أَعْتَدَ لَهُ مَصْرَفًا﴾ اس فصلت مذکورہ سے مؤمنین صالحین کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اور ان کے اعمال و اخلاق صالحہ کا ذکر کیا گیا ہے جو ﴿إِلَّا الْمُصَلِّينَ﴾ سے شروع ہو کر ﴿صَلَاتِهِمْ وَنِعْمَتِهِمْ كَانَتْ تُرْجَىٰ﴾ تک بیان کئے گئے ہیں۔ یہاں استثناء بلفظ مصلین کیا گیا ہے یعنی نمازی اور مراد اس سے مؤمنین ہیں اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ نماز مؤمن کی پہلی اور سب سے بڑی عبادت ہے۔ مؤمنین کو ملنے کے مستحق وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو نمازی ہیں۔ آگے ان مصلین کی یہ صفت بتلائی ہے ﴿لَا يَمَسُّهُمُ أَهْلٌ مِنْ سُلَّةٍ﴾ ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾ مراد اس سے یہ ہے کہ وہ نمازی جو پوری نماز میں اپنی نماز کی طرف متوجہ رہیں اور اُدھر التفات نہ کریں۔ امام بغوی نے اپنی سند کیساتھ ابو نعیم سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضرت عقبہ بن عامرؓ نے اس آیت علیہ السلام ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾ کا مطلب پوچھا کہ کیا اس کی مراد یہ ہے جو ہمیشہ ہمیشہ نماز پڑھتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ نہیں یہ مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جو اول سے آخر نماز تک اپنی نماز کی طرف متوجہ رہے، دانہ بائیں آگے دیکھے التفات نہ کرے اسکا حال منہم دی ہوا جو سورہ مؤمنون میں ﴿لَا يَمَسُّهُمُ أَهْلٌ مِنْ سُلَّةٍ﴾ کا ہے تو اس جملہ میں نماز کے شروع کا ذکر ہوا اور آگے جو جملہ ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾ آ رہا ہے اُس میں نماز اور آداب نماز پر مداومت کا ذکر ہے اسلئے مضمون میں تکرار نہ ہوا، آگے مؤمنین صالحین کی جو صفات بیان کی گئی ہیں یہ سب تقریباً وہی ہیں جو سورہ مؤمنون میں بیان ہوئی ہیں اور اسی سورت میں ان کے معانی کی پوری تفسیر تکمیلی جاپائی ہے اُس کو دیکھ لیا جاوے۔

﴿وَالَّذِينَ فِي أَمْثَالِهِمْ صَبْرًا مُّعْتَدًا﴾ اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقادیر متقدیر زکوٰۃ منجانب اللہ مقرر ہیں ان زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین اور معلوم ہیں جن کی تفصیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث صحیحہ میں مشغول ہے۔ اسلئے تقادیر زکوٰۃ خواہ نصاب زکوٰۃ سے متعلق ہوں یا مقدار واجب سے دونوں اللہ تعالیٰ طرف سے مقرر کردہ طے شدہ ہیں یہ زمانے اور حالات کے بدلنے سے نہیں بدل سکتیں۔

﴿فَمَنْ أَلْبَسْتَهُمْ لَعْنَةً مِنْ رَبِّهِمْ فَبِمَا كَفَرُوا﴾ اس سے پہلی آیت میں نفسانی خواہش اور ہمت کا جائز صورت منکوحہ بیوی یا شری نوذبی بتلا دیا گیا تھا اس آیت میں ان دو صورتوں کے سوا شہوت رانی کی

ہر صورت کو ممنوع و ناجائز قرار دیا ہے اس میں بکاح کی وہ صورتیں بھی داخل ہیں جو شرعاً حلال نہیں جیسے ان عورتوں سے بکاح جن سے شرعاً بکاح حرام ہے اسی طرح منقہ جو شرعاً بکاح نہیں۔

اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کرنا حرام ہے اور اگر فقہاء رحمہم اللہ نے استنناہ بالید یعنی اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کر لینے کو بھی اس کے عموم میں داخل قرار دیکر حرام قرار دیا ہے۔ ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عطار سے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا مکروہ ہے۔ میں نے سنا ہے محشر میں کچھ ایسے لوگ آئیں گے جن کے ہاتھ حاملہ ہونگے میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے ہاتھ سے شہوت پوری کرتے ہیں۔ اور حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوم پر عذاب نازل فرمایا جو اپنے ہاتھوں سے اپنی شرمگاہوں سے کھینٹتے ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملعون من نکح ما بین یدین یعنی جو اپنے ہاتھ سے بکاح کرے وہ ملعون ہے۔ سند اس کی ضعیف ہے (منظری)

تمام حقوق اللہ و حقوق العباد (وَالَّذِينَ هُمْ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ وَلَا تَعْلَمُهُمْ ذُنُوبُهُمْ) اس آیت میں امانت جمع امانت میں داخل ہیں۔ کا صیغہ استعمال فرمایا ہے جیسے دوسری جگہ بھی (إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ)

الْمُنْتَبِئَاتِ إِلَى أَهْلِهَا فرمایا ہے دونوں جگہ بلفظ جمع لائیں اسطرح اشارہ ہے کہ امانت صرف وہ مال ہی نہیں جو کسی نے آپکے پاس رکھ دیا ہو بلکہ تمام حقوق واجبہ جیسا کہ آدرا کرنا آپکے ذمہ فرض ہے وہ سب امانت ہیں انہیں کوتاہی کرنا خیانت ہے اس میں تمام حقوق اللہ نما روزہ حج زکوٰۃ بھی داخل ہیں اور تمام حقوق العباد جو نہایت کسی پر واجب ہیں یا نئے خود کسی معاہدے اور معاملے کے ذریعہ اپنے پر لازم کر لیتے ہیں وہ سب امانت کی فہرست میں داخل اور ان کی ادائیگی فرض، اس میں کوتاہی خیانت ہے۔ (از منظری مخلصاً)

وَالَّذِينَ هُمْ يُشْهِدُونَ یہاں بھی لفظ شہادت کو بلفظ جمع لانے میں اسطرح اشارہ پایا جاتا ہے کہ شہادت کی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر قسم شہادت کو قائم رکھنا واجب ہے۔ اس میں شہادت ایمان تو حسید رسالت بھی داخل ہے۔ ہلال رمضان اور حدود شرعیہ کی شہادت بھی اور لوگوں کے باہمی معاملات جو کسی کے سامنے ہوتے ہوں ان کی شہادت بھی، کہ ان شہادتوں کا چھپانا اور ان میں کسی بیٹھی کرنا حرام ہے انکو صحیح صحیح قائم کرنا اس آیت کی رو سے فرض ہے (از منظری) واللہ اعلم بالصواب

تَمَّتْ سُبْحَانَ اللَّهِ بِرُؤْيُومِ الشُّكْرِ رَبِّكَ يَبْلُغُونَ

# سورۃ نوح

سورۃ نوح ۴۱: ۲۸  
سورۃ نوح مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی اٹھائیس آیتیں ہیں اور دو آکوع

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑھاپہ مرہبان نہایت رحم والا ہے

إِنَّا أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ أَنْ أَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَهُمُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي كُنْتُ مِنْكُمْ لَمَنِ بَدَأْتُ الصَّلَاةَ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۝ قَالَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۝

مذہب دردناک ہوا اسے قوم میری میں تم کو ڈر سنا ہوں کہول کہ بندگی کرو اللہ کی و اتقوا و اطیعون ۝ یعنی لکم من ذنوبکم و یوحی لکم الی اجل و اس سے ڈرو اور میرا کہنا مانو تاکہ بچتے وہ تم کو بھگائے تمہارے اور ڈھیل دے تم کو ایک مقررہ دعوہ

فَسَمِعِي إِنْ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخِّرُكُمْ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

تک وہ جو دعوہ کیا ہے اللہ نے جب آپہنچا اس کو ڈھیل نہ ہوگی اگر تم کو سمجھ ہے

قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا ۝ فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِي إِلَّا فِرَارًا ۝ وَإِنِّي كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوا أَصْوَابَهُمْ فِي

بھاگتے تھے اور میں نے جب کبھی ان کو بلایا تاکہ تو ان کو بچتے ڈالنے لگے انہیں اپنے اذائہم و استغشوا ثيابہم و اصبروا و استکبروا استکبارًا ۝ ثم

کاڑوں میں اور پھینتے تھے اپنے اذائہ پر تھے اور مذکی اور غور کیا بڑا غرور

إِنِّي دَعَوْتُهُمْ نَهَارًا ۝ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَمْتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا ۝

جاننا